جلیل عالی *

”پاکستانی ثقافت“: اتفاق و اختلاف

کتاب: پاکستانی ثقافت
مصنف: عکسی مفتی
ناشر: الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۱۴ء۔

عکسی مفتی نے وطنِ عزیز پاکستان سے محبت اگر چہ اپنے والد اور اردو کے بڑے لکھاری ممتاز مفتی سے ورثے میں پائی مگر لوک ورثہ سے پیشہ وارانہ وابستگی کے دوران ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے رنگا رنگ ثقافتی مظاہر کے گہرے مشاہدے اور مطالعے نے اس حب الوطنی کو اس کے جسم و جان ہی نہیں ایقان کا حصہ بنا دیا۔

ممتاز مفتی کو زندگی اور کائنات کے پُراسرار پہلو بہت ہانٹ کرتے تھے، جس کی تائید ان کی تحریروں میں بار بار استعمال ہونے والے اس جملے سے بھی ہوتی ہے کہ:

پتا نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے مگر ایسا ہوتا ہے کہ ...

جب کہ عکسی مفتی کو زندگی کے ثقافتی مظاہر کی گمبھیرتا کے پسِ پردہ کار فرما جوہرِ زندگی نے اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ثقافتی جوہرِ حیات کو گرفت میں لینے کی دُھن ہی نے اسے قلمکاری کی طرف راغب کیا۔ یوں ایک دن

کی بات اور کاغذ کا گھوڑا کے بعد پاکستانی ثقافت کے خصوصی موضوع پر لکھی گئی یہ کتاب اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

پاکستانی ثقافت کے موضوع پر گذشتہ صدی کی ساٹھویں دہائی میں سب سے پہلے مبسوط کتابی صورت میں پاکستانی کلچر کے نام سے ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے قلم اٹھایا تھا۔ اس کے بعد اس حوالے سے دوسری اہم کتاب پاکستان میں تہذیب کا ارتقا سبطِ حسن نے تحریر فرمائی۔ پروفیسر سجاد باقر رضوی مرحوم کی اصطلاحوں سے کام لے کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں اگر آسمانی نقطۂ نظر حاوی ہے تو سبطِ حسن کے خیالات پر زمینی زاویۂ نگاہ غالب ہے۔ عکسی مفتی کی خوبی یہ ہے کہ اس نے زمینی و آسمانی دونوں حوالوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور ان کی امتزاجی صورت سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس نے اپنے خیالات کے اظہار میں ادق اور پیچیدہ علمی اسلوب اختیار کرنے کی بجائے اپنے مشاہدات پر مبنی ہلکے پھلکے اور کسی حد تک مجلسی اندازِ گفتگو کو ترجیح دی ہے۔ کہیں کہیں تو ہمارے صوفی دانشوروں کی حکایت بیانی کے وسیلے سے بھی کام لیا ہے اور تاریخ و تہذیب، سیاست و معیشت اور ادب و فن کے شعبوں سے متعلق واقعات بیان کر کے اپنے مؤقف کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ ذہن سے زیادہ دل جیتنے کی حکمتِ عملی ہے۔

عکسی مفتی کی اس تصنیف کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔

اس خطے کی قدیم تاریخ اور موجودہ پاکستانی ثقافت میں گہرا تعلق ہے۔ (مفتی، ص ۱۶۳)

قدیم رسوم و رواج، ادب و فن اور آثار و آلات ثقافتی سفر میں ایک تسلسل بناتے ہیں۔ (ص ۴۴)

مغربی اور یورپی دانشور ہماری ثقافت کے بارے میں متعصّبانہ رویہ رکھتے ہیں۔ (ص ۴۸)

پاکستانی ثقافت میں لوک ریت اور زبانی روایت کا بہت اہم کردار ہے۔ (ص ۱۰۵)

ہمارے حکمرانوں، معاشرتی و ثقافتی اداروں اور دانشوروں نے پاکستانی ثقافت سے افسوس ناک اغماض برتا ہے۔ (ص ۴۵)

علامہ اقبال اور قائدِ اعظم نے ایک علاحدہ مملکت کا سوال ثقافت کی بنیاد پر اٹھایا تھا مذہبی فرمودات پر نہیں۔ (ص ۱۸۱)

اس حوالے سے عکسی نے ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ کو منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ لاہور کے اجلاس

میں دیے جانے والے قایدِاعظم کے صدارتی خطبے سے ایک جامع و مانع اقتباس بھی نقل کیا ہے، جسے یہاں درج کرنا مناسب رہے گا۔

> ہندو اور مسلم دو جداگانہ مذاہب، جداگانہ فلسفے، جداگانہ سماجی رسوم اور جداگانہ ادبیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں نہ تو آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں اور نہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ دونوں دو علاحدہ تمدنوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی بنیاد متضاد نظریات تصورات پر ہے۔ زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام پہلوؤں پر ان کی نگاہ مختلف زاویوں سے پڑتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی امنگوں کے تاریخی سرچشمے مختلف ہیں۔ ان کے رزمیے مختلف ہیں۔ ان کے ہیروز مختلف ہیں۔ ان کی داستانیں مختلف ہیں۔ بلکہ اکثر تو ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہے۔ یہی حال ان کی کامرانیوں اور ناکامیوں کا ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک مملکت کی صورت میں ایک ساتھ جوتنے کی کوشش جن میں سے ایک عددی اکثریت رکھتی ہو اور دوسری عددی اقلیت میں ہو لا محالہ بیزاری کی پرورش کرے گی اور بالآخر اس نظام کو تباہ کر دے گی، جو اس طرح ایک مملکت کی ایک حکومت کی صورت میں تیار کیا جائے گا۔

سیکولرزم مغربی تہذیب کی محض خیالی جنت ہے۔ یہ اتنا ہی خیالی اور دوسروں پر تھوپا گیا نظریہ ہے جتنا کٹر اور قدامت پسند روایتی مذہب ہے۔ (ص ۱۹۰)

مذہب اور ثقافت میں تضاد اسلامی مسئلہ نہیں ہے۔ (ص ۱۹۰)

انسانی زندگی میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ خدا اور انسان۔ خدا الہامی ہے، مذہبی ہے، تصوراتی ہے۔ انسان سیکولر اور ثقافتی ہے۔ رنگا رنگ ہے۔ اسلام انسانیت اور خدا میں توازن یعنی "المیزان" پر یقین رکھتا ہے۔ (ص ۱۹۲)

سانجھ داری (pluralism) دراصل لسانی، علاقائی، ثقافتی، قومی، مذہبی اور اور عالمگیریت میں توازن لانے کی صلاحیت کا نام ہے۔ (ص ۱۹۲)

اسلام مقامی ثقافت میں خواہ مخواہ دخل اندازی نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنے اندر سمو کر آہستہ آہستہ جذب کرتا ہے اور اس کے فروغ کا قائل ہے۔ اگر مقامی اقدار اسلام کے بنیادی عقائد کے بالکل برعکس نہ ہوں تو اسلام انھیں نہیں چھیڑتا۔ عالمی سطح پر سوچو لیکن عمل مقامی سطح پر کرو۔ (ص ۱۹۹)

ہم نے نظریۂ پاکستان کے خالی ڈھول تو بہت پیٹے ہیں لیکن معاشرتی ہم آہنگی کے لیے خاطر خواہ اقدامات نہیں کر پائے۔(ص ۲۰۹)

ثقافت قانون سے عظیم تر ہے۔ثقافت اقتدار سے عظیم تر ہے۔ثقافت ہمارا طرزِ زندگی ہے۔ثقافت ہی فیصلہ کن ہے۔ثقافت ہی قدر پیمائی ہے۔(ص ۲۱۲)

ہماری زندگیوں اور اجتماعی ترقی میں ثقافتی شعور کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔(ص ۲۱۳)

یہ اور بہت سے دیگر نکات عکسی مفتی کی تصنیف کو بجا طور پر ایک سنجیدہ اور اہم کتاب بناتے ہیں۔ تاہم کہیں کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ بات ایک مربوط اور ہم آہنگ فکری و نظری دائرے سے باہر نکل گئی ہے۔اور بعض بیانات تو تضاد کی سی صورتِ حال پیدا کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔بہر حال یہ سہرا سر اسر اس فکر انگیز اور احساس خیز کاوش ہی کے سر بندھتا ہے کہ اس میں چھیڑے گئے مباحث سے تحریک پا کر چند تائیدی و اختلافی معروضات پیش کی جارہی ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ثقافت ایک اضافی مظہر ہے۔یعنی اس حوالے سے کہ کس وقت کس دائرے کی ثقافت مرکزِ نگاہ یا زیرِ بحث ہے، ثقافت کی شناخت بدل جاتی ہے۔گویا ثقافت ایک ایسی ٹوپی ہے جو سر کے مطابق اپنا سائز تبدیل کر لیتی ہے۔شاید اسی لیے ٹی ایس ایلیٹ نے کہا تھا کہ جہاں ایک عالمی ثقافت کی بات کی جاسکتی ہے وہاں دنیا کے ہر شخص کی الگ ثقافت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔سو پاکستانی ثقافت کی بات کرتے ہوئے بھی ہمیں پاکستان کے جغرافیائی دائرے کو کو سامنے رکھنا ہوگا۔'پاکستانی ثقافتوں' اور 'پاکستانی ثقافت' کے فرق کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا پاکستانی ثقافت محض پاکستان میں موجود مختلف ثقافتوں کے مجموعے کا نام ہے یا ان کے مشترک عناصر سے تشکیل پانے والے امتزاجی تشخص کا نام ہے۔

پھر یہ خیال بھی رہے کہ کسی بھی جغرافیائی دائرے کی ثقافت کی تفہیم کے لیے اس کے جلی و خفی (overt and covert) دونوں طرح کے عناصر کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ظاہر ہے کہ ثقافت کے وہ خارجی عناصر جو مادی ترقی کے عمل سے فنا ہو جاتے ہیں ثقافت کے استقرار و تسلسل کے مظہر نہیں ہو سکتے۔مجھے یاد ہے ستر کی دہائی میں ہمارے ایک اشتراکی دوست نے حلقۂ اربابِ ذوق راولپنڈی کے ایک اجلاس میں ثقافت پر مضمون پڑھتے ہوئے اس بات پر کتنے دکھ اور تشویش کا اظہار کیا تھا کہ ہمارے دیہات میں ہینڈ پمپ

اور ٹیوب ویل آنے سے پنگھٹ اور پنہاریوں کا کلچر نا پید ہوتا جا رہا ہے۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ کسی ثقافت کی پہچان میں وہی عناصر کلیدی حیثیت رکھتے ہیں جو ارتقائی سفر میں ایک تسلسل کی ضمانت بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انسانی وجود کی ہمہ جہت شمولیت سے تشکیل پانے والی کلیت میں کسی بھی دائرۂ ثقافت کے انسانوں کے امتیازی اقداری سروکار کو جانے بغیر ثقافتی استقرار و تسلسل کا فہم ممکن ہی نہیں ہوتا۔ درحقیقت کسی بھی ثقافت کے پیچھے جو تہذیبی روح کارفرما ہوتی ہے وہی اس کے مستقل عناصر کا تعین کرتی ہے۔

جہاں تک ثقافت اور اسلام کا تعلق ہے، دونوں کے تعامل میں اسلام کا کردار انفعالی نہیں فعالی ہے۔ اسلام جہاں بھی جاتا ہے اپنے عظیم تصور خیر و شر کو بروئے کار لاتے ہوئے چار جہتوں میں عمل آرا ہوتا ہے۔

(ا) اپنی آفاقی و سرمدی روح سے ہم آہنگ یا غیر متصادم ثقافتی مظاہر کو برقرار رکھتا ہے۔

(ب) قابل اصلاح مظاہر میں مناسب تبدیلیاں لاتا ہے۔

(ج) اپنی اقداری روح سے متصادم عناصر کی تنسیخ کرتا ہے۔ اور

(د) نئے نئے ثقافتی مظاہر تخلیق کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس چہار گونہ معاشرتی و تہذیبی عمل کے نتائج آنکھ جھپکنے میں سامنے نہیں آ جاتے۔ اس میں صدیاں اور زمانے صرف ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ بے ساختہ و فطری انداز سے ہوتا ہے اس میں جبر و اکراہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

کہ کلچر تو نسلوں کے آزاد اظہار سے اپنا چہرہ بناتا ہے۔ (عالی: ص ۲۷)

یہ جو پاکستان کے کم و بیش بیس کروڑ مسلمان ہیں ان سب کے آبا و اجداد ایران و عرب سے تو نہیں آئے۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق ذات پات کے شکنجے میں جکڑے اس پے تو قیر مقامی طبقے سے تھا جو عزت کی خاطر برابری کا تصور رکھنے والے مذہب اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اس برابری کے عملی مظاہرے میں صوفیائے کرام کے لنگر خانوں کا بڑا اہم ثقافتی کردار ہے، جہاں شاہ و گدا ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ پھر تبدیلی مذہب میں بھجن کے مقابل قوالی کی موسیقی ہی نہیں وحدت و شرف انسانی کے مضامین و مفاہیم کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔ ورنہ گائے کی پوجا کرنے سے گائے کا گوشت کھانے تک کے سفر کا تاریخی معجزہ کیسے رونما ہو سکتا تھا۔

یوں تو قائدِ اعظم نے تحریک پاکستان کے دوران ہی برصغیر کے مسلمانوں کے الگ ثقافتی وجود کے نمایاں خدوخال کی ناقابلِ تردید نشاندہی کر دی تھی۔ اور بجا طور پر کہا جاتا ہے پاکستانی قوم کی تشکیل پہلے ہوئی اور وطن بعد میں حاصل ہوا تاہم حصولِ پاکستان کے بعد، ثقافتی ارتقا کے رفتاری پیمانے کو سامنے رکھتے ہوئے ستر سٹھ برسوں کی مختصر مدت میں ہم نے جو بے شمار ثقافتی مظاہر متعارف کروائے ہیں ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرنا بے محل نہیں ہوگا۔

تشکیلِ پاکستان سے پہلے بھی ہماری قومی زبان اردو کا آغاز و ارتقا ہند اسلامی تہذیب کے ایک شاندار مظہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور لسانی آہنگ کے فرق کی بنا پر اردو ہندی تراکیب کا رواج نہ پا سکنا بھی ہماری مختلف تہذیبی روح کا پتا دیتا ہے۔ تاہم حصولِ پاکستان کے بعد مقامی زبانوں کے تال میل سے ہم نے اردو کے مزاج میں جو ایک خاص تبدیلی پیدا کر لی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس خاص مزاج و آہنگ کے باعث بعض لسانی ماہرین نے اسے پاکستانی اردو کا نام بھی دیا ہے۔

پاکستان میں لکھی جانے والی غزل سے جام و مینا، شراب و صراحی اور میخانے کے دوسرے متعلقات رخصت ہو چکے ہیں جب کہ ہمارے ہمسایہ ملک میں یہ لغت اب بھی مستعمل ہے۔

پاکستان کے مشاعروں میں جو ایک آدھ شاعر ترنم سے کلام پڑھتا ہے وہ بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا اور اسے واجبی سی شاعری کو گا کر لائقِ توجہ بنانے کی کوشش قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ ہمسایہ ملک میں ترنم کے بغیر شاعر کا تصور ہی محال ہے۔

شروع شروع میں اقبالی روایت کے زیرِ اثر پاکستانی اردو غزل میں کہیں کہیں نعتیہ اشعار سامنے آنے لگے۔ اور پھر کچھ ہی عرصے بعد نعت ایک باقاعدہ ادبی صنف کا اعتبار حاصل کر گئی۔ ادبی پرچے جو نعت کی اشاعت بارے تحفظات رکھتے اور پس و پیش سے کام لیتے تھے اسے جگہ دینے پر آمادہ ہو گئے اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ کم و بیش تمام ادبی جریدوں کے آغاز میں حمد و نعت کا گوشہ مختص کرنے کی روایت مستحکم ہو چکی ہے۔

نعت خوانی کی محفلوں میں دف کے استعمال کے ساتھ ساتھ منھ سے مختلف آوازیں نکال کر موسیقی کے اثرات پیدا کرنے کا رواج عام ہو رہا ہے۔

عوام کے جمہوری ابھار سے گھبرا کر وضعِ موجود کے تحفظ کی خاطر بار بار لگائے جانے والے مارشل

لاؤں میں دس دس سال ملائیت کی پرورش کے باوجود اقبال اور قایدِ اعظم کے پاکستان کے عام انتخابات میں ملائیت کے نمائندوں کو پانچ فیصد ووٹ بھی نہیں ملتے ۔جب کہ سیکولرازم اور جمہوری تسلسل کے دعویدار ہمسایہ ملک کے انتخابات بھاری اکثریت سے بنیاد پرست اور انتہاپسند قوتوں کو کئی بار اقتدار میں لا چکے ہیں ۔یہ بات پاکستان کی ملائیت ہی نہیں انتہا پسند آزاد خیالی اور مذہب بیزاری کے لئے بھی لمحۂ فکریہ ہونی چاہیے کہ پاکستانی ثقافتی روح دونوں کو مسترد کرتی ہے اور اپنے اسلامی حرکی تشخص سے کسی صورت دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہے۔

قرآنی آیات کی روایتی خطاطی سے لے کر صادقین، اسلم کمال اور دوسرے نامور مصوروں کی تخلیقی قرآنی مصوری تک کا سفر بھی پاکستانی ثقافتی روح کا بے مثال مظہر ہے۔

پاکستان کے شہروں میں یہ جو کلمہ چوک ،سڑکوں کنارے بجلی کے کھمبوں اور پارکوں میں درختوں کے تنوں پر اسمائے رب و رسول جلوہ نما ہوتے چلے جا رہے ہیں ان سے بھی ایک خاص تہذیبی وثقافتی ماحول کی عکاسی ہوتی ہے ۔ریلوے اسٹیشنوں، سرکاری عمارتوں اور تعلیم گاہوں کی دیواروں پر درج قرآنی آیات بھی اسی کا حصہ ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام ہی سے نہیں آئین میں درج قراردادِ مقاصد کی رُو سے بھی ہم نے کم از کم نظری حد تک سیکولر مغربی جمہوریت کے برعکس اقبال کی روحانی جمہوریت سے رشتہ جوڑ رکھا ہے۔

ایٹمی دھماکوں کے یادگار دن کو یومِ تکبیر کے نام سے موسوم کرنا بھی ہماری تہذیبی وثقافتی ترجیحات کا علامتی اظہار ہے۔

کارِ خیر میں شرکت کی خاطر عطیات دینے کے رجحان کے حوالے سے دنیا کے اس نمایاں ترین ملک میں اولیا و صوفیا کے مزاروں سے منسلک لنگر خانوں کی روایت تو پہلے سے موجود تھی مگر اب یہ سلسلہ شہروں میں مختلف عوامی مقامات تک پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

پاک و ہند میں نام نہاد گلوبلائزیشن اور منڈی معیشت کی صارفیت سے سازگار نفسیاتی ماحول بنانے والی پاپ موسیقی کی یکساں یلغار کے سامنے پاکستان میں تو نصرت فتح علی خاں نے اپنے اجتہادی تخلیقی جوہر سے ایسا بند باندھا کہ آج ہمارے کلاسیکی گھرانوں کے بیشتر نوجوان پاپ موسیقی میں بھی ایک وقار اور سنجیدگی کو

قائم رکھتے ہوئے عارفانہ کلام سامعین تک پہنچا رہے ہیں ۔اور صاف ظاہر ہے کہ ہماری ثقافتی روح نے پاپ موسیقی کو بر ہنگی اور لچر پن کا ویسا وسیلہ نہیں بننے دیا جیسا کہ بہت سی دوسری ثقافتوں میں دکھائی دیتا ہے ۔

رمضان کے مہینے میں روزہ دار اور بے روزہ کی تفریق کے بغیر گھروں، دفتروں اور ہوٹلوں میں افطاری کی تقریبات اور ان میں پکوڑوں کی طرح کے دوسرے لوازمات کا اہتمام بھی تو پاکستانی ثقافت ہی کا ایک رنگ ہے ۔

توجہ اور غور کرنے سے ایسے مشترک خدوخال کی ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے جو پاکستانی ثقافت کو محض مختلف ثقافتوں کے مجموعے یا تنوعات میں اشتراک (unity in diversity) کے تصور سے ذرا آگے کی چیز بناتے اور ٹھہراتے ہیں ۔

عکسی مفتی نے اپنی کتاب میں پاکستانی ثقافت کے حوالے سے حکومتوں اور اور متعلقہ اداروں کی غفلت و عدم دلچسپی کی شکایت کی ہے ۔آج سے کوئی پچیس تیس برس پہلے ''پاکستان لوک ورثے'' کے اس سربراہ سے میں نے درخواست کی تھی کہ وطنِ عزیز کی مختلف و متنوع ثقافتوں کے تعارف و فروغ کے ساتھ ساتھ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مشترک عناصر و مظاہر کی یکجائی اور اشاعت کی طرف بھی توجہ دیجیے تا کہ پاکستانی قومی ثقافت کے خدوخال بھی اجاگر ہو سکیں تو موصوف یہ بوجھ مجھ جیسے سہل پسند شاعر کے کندھوں پر ڈالنے کی دھمکی دے کر سبک بار ہو گئے ۔

مآخذ

- شاعر و دانشور، اسلام آباد۔

مفتی، عکسی۔ پاکستانی ثقافت۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۴ء۔
عالی، جلیل۔ شوق ستارہ۔ لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۸ء۔